۱۸

اگر دنیا کو فتح کرنا چاہتے ہو تو عملی زندگی میں بھی تعلیمِ اسلام کے مطابق تغیر پیدا کرو

(فرمودہ ۲۲ رمئی ۱۹۳۶ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں نے بارہا بیان کیا ہے کہ ہماری جماعت معمولی جماعتوں کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کے قیام کی غرض دنیا کے موجودہ نقشہ کو بدل دینا ہے۔ اسلام کے عقائد پر دراصل اتنا حملہ آجکل نہیں جتنا کہ اسلامی شریعت، اسلامی طریق اور اسلامی سنّت پر ہے اور چونکہ یہ حملہ نہایت باریک ہوتا ہے پھر اس میں نفس کی سہولت اور آرام کا بھی بہت کچھ دخل ہوتا ہے اس لئے ایسے حملے کا دفاع نہایت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر ہم غور کر کے دیکھیں تو جہاں احمدیت نے لوگوں کے عقائد میں ایک عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا ہے وہاں عملی دنیا میں تغیر نہایت ہی قلیل نظر آتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دعویٰ فرمایا اُس وقت تمام کے تمام مسلمان اِلَّامَاشَاءَ اللّٰہُ اس خیال اور اس عقیدہ کے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور وہ دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور یہ عقیدہ باوجود اِس کے کہ عقل و نقل کے بالکل خلاف تھا، باوجود اس کے کہ انسانی فطرت اس کو ردّ کرتی ہے پھر بھی دنیا میں اِس قدر مقبول تھا کہ اِس ایک مسئلہ کی وجہ سے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف سارے ہندوستان میں ہی نہیں

بلکہ ہندوستان سے باہر بھی شور پڑ گیا۔ مسلمان حیران تھے اور وہ اپنے کھلے ہوئے مونہوں اور پھٹی ہوئی آنکھوں کے ساتھ جس طرح ایک غشی میں مبتلا ہونے والا انسان سکتہ کی حالت میں پڑ جاتا ہے اس دعویٰ کو حیرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلان پر نہایت ہی تعجب کر رہے تھے۔ وہ حیران تھے کہ ایک سمجھدار انسان ایسی بات کس طرح قبول کرسکتا ہے اور کس طرح لوگوں کے سامنے اسے پیش کرسکتا ہے۔ ان کے نزدیک دنیا کی ثابت شُدہ حقیقتوں میں سے سب سے زیادہ ثابت شُدہ حقیقت یہی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور آسمان پر بیٹھے ہیں سوائے نیچریوں کے جن کی تعداد بہت تھوڑی تھی باقی تمام مسلمان نئی تعلیم کے حاصل کرنے والے کیا اور پُرانی تعلیم کے حاصل کرنے والے کیا، پیر کیا اور مولوی کیا، امیر کیا اور غریب کیا، پیشہ ور کیا اور غیر پیشہ ور کیا، ان میں سے ہر ایک حیرت میں تھا کہ ایسی موٹی بات کو یہ شخص کس طرح ردّ کر رہا ہے۔ لوگوں کو اس مسئلہ کے متعلق جس قدر یقین اور وثوق تھا وہ ایک واقعہ اور ایک مثال سے اچھی طرح معلوم ہوسکتا ہے۔

پنجاب کے ایک مشہور طبیب جن کی طبّی عظمت کے حضرت خلیفہ اوّل جیسے طبیب بھی قائل تھے اُن کے متعلق حضرت خلیفہ اوّل کا ہی بیان ہے کہ ایک دفعہ اُن کے پاس مولوی فضل دین صاحب مرحوم بھیروی جو حضرت خلیفہ اوّل کے گہرے دوست اور نہایت مخلص احمدی تھے گئے اور انہیں کچھ تبلیغ کی۔ وہ باتیں سن کر کہنے لگے میاں! تم مجھے تبلیغ کرتے ہو تم بھلا جانتے ہی کیا ہو اور مجھے تم نے کیا سمجھانا ہے۔ مرزا صاحب کے متعلق تو جو مجھے عقیدت ہے اس کا دسواں بلکہ بیسواں حصہ بھی تمہیں ان سے عقیدت نہیں ہوگی۔ مولوی فضل دین صاحب مرحوم یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے سمجھا کہ شاید یہ دل میں احمدی ہیں اس لئے انہوں نے کہا اِس بات کو سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ کو حضرت مرزا صاحب سے عقیدت ہے اور میں خوش ہوں گا اگر آپ کے خیالات سلسلہ کے متعلق کچھ اَور بھی سنوں۔ وہ کہنے لگے آج کل کے جاہل نوجوان بات کی تہہ تک نہیں پہنچتے اور یونہی تبلیغ کرنے کیلئے دَوڑ پڑتے ہیں۔ اب تم آ گئے ہو مجھے وفاتِ مسیح کا مسئلہ سمجھانے، حالانکہ تمہیں معلوم کیا ہے کہ مرزا صاحب کی اِس مسئلہ کے پیش کرنے میں حکمت کیا ہے۔ وہ کہنے لگے آپ ہی فرمائیے۔ انہوں نے کہا سنو! اصل بات یہ ہے کہ مرزا صاحب نے

براہین احمدیہ کتاب لکھی، تیرہ سو سال میں بھلا کوئی مسلمان کا بچہ تھا جس نے ایسی کتاب لکھی ہو، مرزا صاحب نے اس میں ایسے ایسے علوم بھر دیئے کہ کسی مسلمان کی کتاب اِس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، وہ اسلام کیلئے ایک دیوار تھی جس نے اُسے دوسرے مذاہب کے حملوں سے بچالیا۔ لیکن مولوی (انہیں گالیاں دینے کی بڑی عادت تھی۔ پانچ سات گالیاں دے کر کہنے لگے) ایسے احمق اور بیوقوف نکلے کہ بجائے اِس کے کہ وہ آپ کا شکریہ ادا کرتے اور زانوئے ادب تہہ کر کے آپ سے کہتے کہ ہم آئندہ آپ کے بتائے ہوئے دلائل ہی استعمال کیا کریں گے ان نالائقوں نے اُلٹا آپ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا اور اسلام کی اتنی عظیم الشان خدمت دیکھنے کے باوجود جو رسول کریم ﷺ کے بعد تیرہ سَو سال میں اور کسی نے نہ کی آپ کے خلاف کفر کے فتوے دینے لگے اور اپنی علمیت جتانے لگ گئے اور سمجھنے لگے کہ ہم بڑے آدمی ہیں۔ اِس پر مرزا صاحب کو غصہ آنا چاہئے تھا اور آیا۔ چنانچہ انہوں نے مولوی سے کہا اچھا تم بڑے عالم بنے پھرتے ہو، اگر تمہیں اپنی علمیت پر ایسا ہی گھمنڈ ہے تو دیکھو حیاتِ مسیح کا عقیدہ قرآن سے اتنا ثابت ہے، اتنا ثابت ہے کہ اس کے خلاف حضرت مسیح کی وفات ثابت کرنی ناممکن نظر آتی ہے لیکن میں قرآن کریم سے ہی حضرت مسیح کی وفات ثابت کر کے دکھا دیتا ہوں اگر تم میں ہمت ہے تو اس کا ردّ تو کرو۔ چنانچہ انہوں نے مولویوں کو ان کی بیوقوفی جتانے کیلئے وفاتِ مسیح کا مسئلہ پیش کر دیا اور قرآن سے اِس کے متعلق ثبوت دینے لگ گئے۔ اب مولوی چاہے سارا زور لگالیں، چاہے ان کی زبانیں گھس جائیں اور قلمیں ٹوٹ جائیں سارے ہندوستان کے مولوی مل کر بھی مرزا صاحب کے دلائل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مرزا صاحب نے انہیں ایسا پکڑا ہے، ایسا پکڑا ہے کہ ان میں سر اٹھانے کی تاب نہیں رہی۔ اب اس کا ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ سارے مولوی مل کر ایک وفد کی صورت میں مرزا صاحب کے پاس جائیں اور کہیں کہ ہم سے آپ پر کفر کا فتویٰ لگانے میں بے ادبی ہوگئی ہے ہمیں معاف کیا جائے، پھر دیکھ لیں مرزا صاحب قرآن سے ہی حیاتِ مسیح ثابت کر کے دکھاتے ہیں یا نہیں۔

اس سے آپ لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اُس وقت حیاتِ مسیحؑ کا عقیدہ کتنا یقینی سمجھا جاتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتبار اور اعتماد رکھتے ہوئے اور آپ کو اسلام کا سب سے بڑا خادم سمجھتے ہوئے پھر بھی اُن کا ذہن اِس طرف نہ جاتا کہ جب وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح

علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں تو واقعہ میں وہ فوت ہو چکے ہوں گے بلکہ وہ سمجھتے کہ یہ محض مولویوں کو شرمندہ کرنے کیلئے کہتے ہیں ورنہ حیاتِ مسیح کا مسئلہ تو ایک ثابت شُدہ حقیقت ہے۔ یہ حالت تھی ان لوگوں کی جن کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعویٰ پیش کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ سارے ہندوستان میں ایک آگ لگ گئی، علماء اپنے بستے کھول کر بیٹھ گئے، ردّ لکھتے لکھتے ان کی قلمیں گھس گئیں اور تقریریں کرتے کرتے ان کی زبان پر آبلے پڑ گئے، انہوں نے حیاتِ مسیح کو ثابت کرنے کیلئے اپنا سارا زور لگا دیا مگر نتیجہ کیا ہؤا؟ ہر دن جو نیا چڑھا اس میں ان کے چند ماننے والے اگر احمدی نہیں ہوئے تو حیاتِ مسیح کا انکار کرنے لگ گئے اور آج تمام ہندوستان میں پھر جاؤ دس تعلیم یافتہ آدمیوں میں سے ایک بھی حیاتِ مسیح کا قائل نظر نہیں آئے گا۔ وہ ابھی تک احمدی نہیں ہوئے مگر وفاتِ مسیح کے قائل ہیں بلکہ ہماری جماعت کا ایک شدید دشمن حیاتِ مسیح اور آمدِ مسیحؑ کے عقیدہ کو ایک مجوسی عقیدہ خیال کرتا ہے۔ وہ ہماری جماعت کی مخالفت کرتا ہے مگر حیاتِ مسیح کا وہ بھی قائل نہیں اور یہ صرف اس سے ہی مخصوص نہیں انگریزی پڑھے ہوئے اکثر ایسے ہیں جو حضرت مسیح کی حیات تسلیم نہیں کرتے بلکہ مولویوں کے پاس چلے جاؤ ان میں سے بھی اکثر ایسے دکھائی دیں گے جو حیاتِ مسیحؑ کے قائل نہیں ہوں گے۔ چنانچہ عام طور پر مسلمانوں سے اس مسئلہ پر جب گفتگو کی جائے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کیا رکھا ہے چلو اِسے چھوڑو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دل سب کے ماننے لگ گئے ہیں۔ اب کجا وہ حالت تھی اور کجا یہ حالت ہے۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ مسئلہ پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء ہر ملک میں بھیجے ہیں تو ساری دنیا میں ایک آگ لگ گئی اور لوگوں نے کہا دیکھو! یہ کافروں کو نبی قرار دیتا ہے۔ اس مسئلہ پر اس قدر استہزاء کیا گیا، اس قدر تمسخر کیا گیا کہ کان اس کے سننے کی برداشت نہیں کرتے تھے لیکن آج شدید ترین مخالف اخبار بھی جو رات دن ہمارے خلاف لکھتے رہتے ہیں اس مسئلہ کی صحت کو تسلیم کر چکے ہیں اور ان میں اس بات پر مضمون شائع ہوتے ہیں کہ اسلام پہلے انبیاء کی صداقت کا بھی قائل ہے۔ گویا یا تو اس مسئلہ کو نہایت ہی غلط اور بے بنیاد قرار دیا جاتا تھا یا اب احمدیت کی تعلیم کی اشاعت کی وجہ سے سارے لوگوں کیلئے یہ ایک تسلیم شدہ مسئلہ بن گیا ہے اور تمام سمجھدار انسان احمدیت کی تعلیم کو صحیح تسلیم کرنے لگ گئے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتدائے دعویٰ میں جب قرآن مجید کے کامل ہونے کا دعویٰ پیش کیا گیا اور بتایا گیا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں تو علماء کہلانے والے اتنے جوش میں آگئے کہ ان کے مونہوں سے جھاگ اور ان کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اس وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ قرآن مجید کی بعض آیات کا منسوخ ہونا ہی ان کے نزدیک اسلام کے زندہ ہونے کے مترادف ہے اور اس مسئلہ کو بھی الحاد اور زندقہ کا موجب قرار دیا گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ایک اپنا واقعہ سنایا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے مَیں ایک دفعہ لاہور گیا غالباً مسجد چینیاں میں نماز پڑھنے کیلئے چلا گیا، میں بھی وضو کر رہا تھا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی آگئے اور ان سے گفتگو شروع ہوئی۔ دَورانِ گفتگو مَیں نے کوئی آیت پڑھی تو وہ کہنے لگے یہ منسوخ ہے۔ حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں میں نے انہیں کہا میں قرآن مجید میں ناسخ ومنسوخ کا قائل نہیں ہوں۔ اس پر وہ بڑے جوش میں آگئے اور کہنے لگے یہ ملحد لوگوں کا عقیدہ ہے، ابو مسلم خراسانی بھی ایک ملحد تھا اور اُس کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا چلو ہم ایک سے دو بن گئے اور پُرانے آدمیوں کی بھی اس مسئلہ کی تائید میں ایک روایت مل گئی۔

تو اُس زمانہ میں یہ ایک عجیب بات سمجھی جاتی تھی اور جو اس کا قائل ہوتا اس کے متعلق سمجھا جاتا کہ وہ اِلحاد کا مرتکب ہے اور خیال کیا جاتا کہ جب تک قرآن مجید میں بعض آیات کو منسوخ نہ سمجھا جائے اس وقت تک اسلام کو غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا مگر آج جاؤ اور ان علماء یا عوام سے جو اسلام سے دلچسپی رکھتے ہیں پوچھ لو وہ قرآن مجید کی تمام آیتوں سے استدلال کریں گے اور منسوخ کا نام بھی نہیں لیں گے۔ نئی لکھی ہوئی تفسیروں کو دیکھ لو ان میں سے ناسخ منسوخ کے الفاظ بِالکل اُڑ گئے ہیں گویا دنیا کا نقطۂ نگاہ ہی اس بارے میں بالکل بدل گیا ہے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے وقت عام مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا کہ انبیاء بھی گناہگار ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ انبیاء کے عیوب گنانے میں مولوی لوگ فخر محسوس کرتے اور مزے لے لے کر اپنی مجلسوں میں ان عیوب کو بیان کرتے۔ ان کی وہ مجلسیں دیکھنے کے قابل ہوتی تھیں جب وہ چٹخارے مار مار کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جھوٹ گنواتے اور حضرت یوسف

علیہ السلام کی چوریاں بیان کرتے ، جب وہ اپنی مجالس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قاتل قرار دیتے اور وہ بجائے اس کے کہ کوئی شرم محسوس کرتے اس میں لذّت اور خوشی پاتے مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سوال کو اُٹھایا اور اس پر بحث کی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء بالکل معصوم ہوتے ہیں۔ آپ کے اس دعویٰ کو دنیا نے عجیب قِسم کا دعویٰ سمجھا اور اسے ایک غیر معمولی بات خیال کیا مگر آج کہاں ہیں مسلمانوں میں وہ لوگ جو کھڑے ہوکر کہہ سکیں کہ انبیاء نے فلاں فلاں گناہ کئے۔ وہی مسلمان جو یہ باتیں سن کر سر دھنا کرتے تھے، وہی مسلمان جو یہ باتیں سن کر سُبْحَانَ اللّٰہِ اور واہ واہ کے نعرے لگایا کرتے تھے آج اگر کسی کے منہ سے اِس قسم کی باتیں سن لیں تو وہ اُس کی کھوپڑی پر جوتیاں مارنے کیلئے تیار ہو جائیں۔

اسلامی تعلیم کے پُرحکمت ہونے کا دعویٰ بھی ایسا ہی تھا جو دنیا کی نظروں میں عجیب تھا۔ عام طور پر مسلمان یہ خیال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ایک حکم دیا ہے تو اسے مان لینا چاہئے اس پر دلیل کیسی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس دعویٰ کو پیش کیا کہ قرآن مجید کے تمام احکام سبب اور علّت کا ایک سلسلہ اپنے اندر رکھتے ہیں اور اس کا ہر حکم کسی نہ کسی حکمت کا حامل ہے تو گو اس مسئلہ پر مسلمانوں کی طرف سے مخالفت نہیں ہوئی مگر ان کی نظروں میں یہ دعویٰ عجیب تھا۔ اُس وقت مسلمان اِس کو ایک ذکی الحس دماغ کی تیزیٔ طبع خیال کرتے تھے مگر آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہی کتاب جس میں اِس مسئلہ کا بالتفصیل ذکر ہے سرورق پھاڑ کر لوگ اپنے نام سے شائع کر رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے دیکھا ہے لاہور میں ہی ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' اپنے نام سے شائع کی ہوئی ہے صرف اس نے یہ تبدیلی کی ہوئی ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الہام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے راقم بھی اس میں تجربہ کار ہے اس قسم کے تمام فقرات اس نے کاٹ دیئے ہیں کیونکہ وہ یہ دعویٰ نہیں کرسکتا تھا مگر باقی تمام کتاب اُس نے اپنے نام سے شائع کی ہوئی ہے۔ اب کجا وہ حالت کہ ان چیزوں پر تعجب کا اظہار کیا جاتا تھا اور کجا یہ عظمت کہ چوری کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب کو اپنے نام پر شائع کر دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی آیات میں ترتیب ہونے کا دعویٰ بھی مسلمانوں کے نزدیک ایک بالکل

غیر معقول اور احمقانہ دعویٰ تھا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ امر شائع فرمایا کہ قرآن مجید کی تمام آیات اور ان آیات کے تمام الفاظ میں ترتیب ہے اور اس کی ترتیب کو نظر انداز کرنے سے قرآن مجید کی خوبی اور اس کا حُسن مارا جاتا ہے تو مسلمانوں نے حیرت اور تعجب سے اس دعوے کو دیکھا اور انہوں نے خیال کیا کہ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جسے عقلِ سلیم قبول نہیں کرسکتی۔ ان کی تفسیریں تقدیم و تأخیر کی بحثوں سے بھری پڑی تھیں جہاں کہیں ان کو قرآن مجید کے معنے سمجھ نہ آتے وہ کہتے اس آیت کے الفاظ غلطی سے آگے پیچھے ہوگئے ہیں۔ غلطی کا لفظ میں نے اپنی طرف سے بڑھایا ہے کیونکہ آگے پیچھے الفاظ غلطی سے ہی ہؤا کرتے ہیں ورنہ اگر حکمت کے ماتحت الفاظ کی ترتیب ہو تو ان کے متعلق آگے پیچھے ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس وہ سمجھتے کہ گویا خدا بھی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ کبھی جلدی میں غلطی کر جاتا ہے۔ جو الفاظ بعد میں رکھنے ہوتے ہیں وہ پہلے رکھ دیتا ہے اور جو الفاظ پہلے رکھنے ہوتے ہیں وہ بعد میں رکھ دیتا ہے۔ چنانچہ بڑا دعویٰ ان کا یہ تھا کہ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ [۱] میں نَعُوْذُ بِاللّٰہِ خدا تعالیٰ سے غلطی ہوئی اسے رَافِعُکَ اِلَیَّ پہلے رکھنا چاہئے تھا اور مُتَوَفِّیْکَ بعد میں۔ جب کبھی مسلمانوں کے سامنے احمدی یہ آیت پیش کرتے اور کہتے کہ دیکھو یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ والی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وفات کا پہلے ذکر ہے اور رفع کا بعد میں جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے فوت ہوئے ہیں اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھائے گئے ہیں مگر تم کہتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھائے گئے ہیں اگر فوت نہیں ہوئے؟ تو اس پر تمام مولوی جس طرح ایک بیوقوف اور احمق شخص کی حماقت پر مسکرا کر جواب دیا جاتا ہے نہایت عالمانہ شکل بنا کر اور احمدیوں کی مزعومہ جہالت پر ہنسی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس آیت میں تقدیم و تأخیر ہوگئی ہے یعنی جو پہلے لفظ رکھنا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں رکھ دیا اور جسے بعد میں رکھنا تھا اسے پہلے رکھ دیا۔ مگر کوئی نہ بتاتا کہ اس نے کیوں پہلے رکھنے والا لفظ بعد میں اور بعد کا لفظ پہلے رکھ دیا آخر وجہ کیا تھی اور اللہ تعالیٰ کو کونسی ایسی مشکل پیش آئی تھی جس کی بناء پر الفاظ کو آگے پیچھے کرنا پڑا۔ اگر کوئی مشکل پیش آئی تھی تو اُسے بیان کرنا چاہئے اور اگر حکمت تھی تو اسے بیان کرنا چاہئے تھا مگر یونہی الفاظ کو آگے پیچھے رکھ دینا یا تو مطالب سے جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے یا الفاظ سے جہالت کی وجہ

سے ہوتا ہے یا پھر جلدی میں بعض دفعہ ایسا ہو جاتا ہے کہ انسان سے الفاظ آگے پیچھے ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ملک میں مشہور ہے کہ کسی زمیندار کا بیل گم ہو گیا وہ تلاش کرتا رہا مگر اسے نہ ملا۔ کسی نے اسے کہا کہ تم اس کی تلاش میں کہاں کہاں پھرو گے بہتر ہے کہ تم نماز کے وقت مسجد میں چلے جاؤ وہاں سب گاؤں کے لوگ جمع ہوں گے وہاں دریافت کر لینا کہ کسی نے میرا بیل دیکھا ہے؟ ممکن ہے ان میں سے کوئی تمہیں بیل کا پتہ دے دے۔ اس نے سوچا یہ تدبیر اچھی ہے مجھے مسجد میں چلنا چاہئے راستہ میں وہ سوچتا گیا کہ مجھے لوگوں سے مہذب طریق سے گفتگو کرنی چاہئے اور اس کیلئے ضروری ہے کہ پہلے اہل مجلس کو سلام کیا جائے اور پھر دریافت کیا جائے کہ کسی نے بیل تو نہیں دیکھا؟ یہ تجویز ذہن میں آتے ہی اس نے فیصلہ کیا کہ جب میں مسجد میں جاؤں گا تو لوگوں سے کہوں گا اہلِ مجلس اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہیں آپ نے میرا بیل دیکھا ہے؟ یہ فقرہ سوچ کر وہ چلا۔ مگر اس کے دماغ میں چونکہ بیل کا خیال غالب تھا اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کے الفاظ اس نے محض لوگوں کو خوش کرنے کیلئے لگا رکھے تھے اس لئے مسجد میں پہنچتے ہی جلدی سے اس کے منہ سے نکل گیا ''اہلِ مجلس بیل بیل کہیں آپ نے میرا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دیکھا ہے''۔

یہ وہ چیز ہے جسے تقدیم و تاخیر کہتے ہیں مگر ان نادانوں سے کوئی پوچھے کہ کیا اللہ تعالیٰ پر بھی کبھی یہ حالت وارد ہو سکتی ہے کہ ''اہل مجلس بیل بیل کہیں آپ نے میرا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دیکھا ہے''۔ کہنا تھا رَافِعُکَ اور منہ سے نکل گیا مُتَوَفِّیْکَ۔ یہ مسلمانوں کی حالت تھی جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا لیکن آج مسلمان مصنفین کی کتابیں پڑھ کر دیکھ لی جائیں وہ وہی بات دُہرا رہے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمائی کہ قرآن مجید کے الفاظ میں ترتیب ہے چاہے وہ ترتیب نہ دکھا سکیں، چاہے ایسی آیتوں پر بحث کے وقت آج بھی انہیں مصیبت معلوم ہو مگر وہ اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن مجید کی آیات اور اس کے الفاظ میں ترتیب پائی جاتی ہے۔ حالانکہ ان کے بڑے بڑے علماء یہ لکھا کرتے تھے کہ قرآن کریم میں کوئی ترتیب نہیں اگر ترتیب ہے بھی تو نہایت موٹی اور معمولی۔

غرض عقائد کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو تبدیلیاں دنیا کے سامنے پیش کی تھیں اس زمانہ میں ان کے خلاف نہایت جوش اور غیظ و غضب کا اظہار کیا گیا اور مسلمانوں

نے یوں سمجھا کہ اسلام پر تبر رکھ دیا گیا ہے لیکن جوں جوں جماعت احمدیہ کی طرف سے ان خیالات کو پھیلایا گیا، ان عقائد کی معقولیت، پختگی، صحت اور درستی لوگوں کے قلوب پر اثر انداز ہوتی چلی گئی اور آہستہ آہستہ مسلمانوں کے دل ان سچائیوں کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے اور وہ جھوٹے اور غلط عقائد جو ان میں پھیلے ہوئے تھے اور جن کی بناء پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف جوش اور غیظ وغضب کا اظہار کیا گیا تھا آہستہ آہستہ محو ہوتے گئے یہاں تک کہ وہ تعلیمیں جن کی بناء پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف کفر کے فتوے دیئے گئے اُن کو خود علماء نے قبول کرلیا اور آج سارے علماء کہتے ہیں کہ اس میں مرزا صاحب کی کونسی خوبی تھی یہ باتیں تو پہلے سے قرآن کریم میں موجود تھیں۔ مگر یہ نہیں سوچتے کہ حضرت مرزا صاحب نے کب کہا تھا کہ میں اپنی طرف سے یہ باتیں کہتا ہوں انہوں نے بھی تو یہی کہا تھا کہ یہ باتیں قرآن مجید میں سے بیان کرتا ہوں مگر اُس وقت کے علماء نے انکار کیا اور آج کے علماء کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ان تمام باتوں کو مان رہے ہیں۔

اِس کے مقابلہ میں جب ہم عمل کو دیکھتے ہیں تو عملی زندگی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم جو ہے وہ غیر تو غیر اپنی جماعت میں بھی ابھی تک پوری طرح قائم نہیں ہوئی۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ورثہ کے مسئلہ پر خاص طور پر زور دیا ہے اور تاکید کی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو حصہ ملنا چاہئے مگر جہاں وفاتِ مسیح کا مسئلہ، قرآنی ترتیب کا مسئلہ، عصمتِ انبیاء کا مسئلہ اور بیسیوں مسائل ایسے ہیں جنہیں دشمنوں نے بھی تسلیم کرلیا ہے وہاں یہ مسائل ایسے ہیں کہ اپنوں نے ابھی تک تسلیم نہیں کیا۔ زمینداروں میں یہ مسئلہ زیادہ تر لاپروائی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور زمیندار ہی زیادہ تر اِس مسئلہ کو عملی جامہ پہنانے میں روک بنتے ہیں۔ وہ لڑکوں کو حصہ دے دیں گے مگر لڑکیوں کو حصہ دینے کیلئے تیار نہیں ہوں گے۔

اسی طرح غرباء اور امراء میں پیار، اتحاد، محبت، یکجہتی اور یکسوئی کی جو تعلیم حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دی ہے کتنے لوگوں نے اس پر عمل کیا ہے؟ اب تحریک جدید کے ماتحت کھانے اور کپڑوں کے متعلق بعض احتیاطیں امراء نے اختیار کی ہیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا اسی روح کے ماتحت جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پیدا کرنا چاہتے تھے یا معین صورت میں؟ اگر انسان ایک روح کے ماتحت کام کرے تو وہ اس حکم کے تمام گوشوں کو مدنظر رکھنا اور باریک سے باریک امور بھی بجالانا

اپنا فرض سمجھتا ہے لیکن اگر صرف حکم کی تعمیل مدنظر ہو تو انسان اپنے آپ کو اس حکم کے الفاظ تک محدود رکھتا ہے۔ نیتوں کے فرق کے ساتھ عمل میں بھی فرق آجاتا ہے۔ جس نے حکم ماننا ہو وہ یہ دیکھتا ہے کہ الفاظ کتنے ہیں اور کیا ہیں۔ اور جو اخلاص کے ماتحت کام کرتا ہے وہ سارے پہلوؤں پر غور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس حکم کے یہ معنے بھی ہونے چاہئیں اور یہ معنے بھی ہونے چاہئیں۔

اسی طرح مغربیت کے مقابلہ کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بہت سے فتاویٰ موجود ہیں مگر کتنے احمدی ہیں جو ان پر عمل کرتے ہیں۔ لفظی طور پر قربانی کا دعویٰ بہت سے لوگ کر بیٹھیں گے لیکن عملی طور پر ان چیزوں کی عظمت کا اقرار کرنے والے اور اپنے عمل سے ثبوت دینے والے بہت کم لوگ نظر آتے ہیں حالانکہ جب تک ہم اس بات میں کامیاب نہیں ہو جاتے دنیا کے سامنے نمایاں نتیجہ پیش نہیں کر سکتے۔ نمایاں نتیجہ دنیا کے سامنے اسی صورت میں ہم پیش کر سکتے ہیں جب عملی زندگی میں بھی ہم اپنے آپ کو اسی دَور میں لے جائیں جو آج سے تیرہ سو سال پہلے دنیا میں جاری ہؤا، جب ہماری شکلوں اور صورتوں کو دیکھ کر محمد ﷺ کے صحابہؓ کا زمانہ یاد آجائے، جب ہم اس راہ کو اختیار کر لیں جو صحابہؓ نے اختیار کی، جب سچائی پر ہمارا قیام ہو جائے، جب جھوٹ اور فریب سے ہم بچنے والے ہوں، جب لڑائی اور جھگڑے کی روح کو ہم مٹا دیں، جب اخلاقِ فاضلہ کا حصول ہماری زندگی کا مقصد ہو جائے، جب اللہ تعالیٰ کی محبت ہر وقت ہمارے سامنے رہے اور جب اس کے قُرب کے حصول کیلئے ہم ہر وقت جدوجہد کرتے رہیں تب ہم دنیا میں تغیر پیدا کر سکتے ہیں اور تبھی دنیا کے لوگ عملی زندگی میں ہماری نقل کریں گے۔ مگر اب تو یہ حالت ہے کہ عقائد میں وہ ہماری نقل کر رہے ہیں اور عمل میں ہم ان کی نقل کر رہے ہیں حالانکہ وعظ و نصیحت کے لحاظ سے کوئی کمی نہیں ہوئی۔ شاید ہی اہم مسائل میں سے کوئی مسئلہ ایسا رہ گیا ہو جس کے متعلق کوئی لیکچر، کوئی خطبہ، کوئی رسالہ یا کوئی تصنیف نہ ہو مگر شاید ہی کوئی ایسی بات ہو جس پر جماعت بحیثیت جماعت قائم ہو۔

پہلی چیز تو نماز باجماعت ہی ہے۔ ابھی تک میں دیکھتا ہوں کہ نماز باجماعت کی پوری پابندی نہیں کی جاتی۔ میں نے محلّہ وار مسجدوں کے ساتھ انجمنیں اسی غرض کیلئے بنوائی تھیں کہ وہ لوگوں کی نگرانی رکھیں مگر مسجدوں کے ساتھ انجمنیں تو بن گئیں لیکن انہوں نے کام کوئی نہیں کیا۔ گویا

نام انہیں ملا مگر کام نہیں ملا کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ ایسے لوگ موجود ہیں اور کافی تعداد میں موجود ہیں جو مساجد میں نماز نہیں پڑھتے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ کسی پریذیڈنٹ یا سیکرٹری نے مجھے کبھی اطلاع نہیں دی کہ فلاں فلاں لوگ مسجد میں نماز نہیں پڑھتے جس کے معنے یہ ہیں کہ پریذیڈنٹ یا سیکرٹری نام رکھا کر بیٹھ گئے ہیں کام کرنے کیلئے تیار نہیں لیکن نام کیا فائدہ دے سکتا ہے۔

سب سے بڑا حکم اسلام میں نماز کا ہی ہے کیونکہ اسلام نماز کو خدا تعالیٰ سے باتیں کرنا قرار دیتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ نماز مؤمن کا معراج ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ مؤمن نماز کی حالت میں اپنے ربّ سے باتیں کرتا ہے۔ جب ہم میں سے کچھ لوگ اپنے خدا سے باتیں کرنے کیلئے بھی تیار نہیں تو وہ اس کیلئے اور کیا قربانی کر سکتے ہیں۔ اگر ہر محلّہ کے پریذیڈنٹ اور سیکرٹری مساجد میں جاتے ہیں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ انہیں کیا مصیبت پڑتی ہے کہ وہ لوگوں کی نگرانی نہیں کرتے اور اس بات کا پتہ نہیں لیتے کہ فلاں فلاں آدمی مسجد میں نہیں آتا۔ پھر انہیں کیا مصیبت پڑتی ہے کہ وہ میرے پاس ان کی رپورٹ نہیں کرتے۔ مسجدوں میں باجماعت نماز نہ پڑھنے والے معمولی آدمی ہی نہیں بلکہ بعض ایسے بھی ہیں جو جماعت میں باعزت سمجھے جاتے یا بارُتبہ سمجھے جاتے ہیں مگر جماعت کے رُتبہ دے دینے سے بھلا کیا بنتا ہے رُتبہ وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملے۔ رسول کریم ﷺ ایسے شخص کو جو مسجد میں نماز باجماعت ادا نہیں کرتا منافق قرار دیتے ہیں [۳]۔ پس اگر آپ لوگ سب مل کر بھی اُسے لیڈر بنالیں تو اس سے کیا بنتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کے قول کے مطابق تو وہ منافق ہے اور اُس کی وہی حالت ہے جو حدیثوں میں رسول کریم ﷺ نے بیان کی کہ جب کوئی منافق مرجاتا ہے اور عورتیں اُس پر بین ڈالتی اور کہتی ہیں کہ ہائے او بہادرا! ساری دنیا کا تُو ہی سہارا تھا، تو فرشتے اُسے جوتیاں مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا واقعہ میں تو دنیا کا سہارا تھا؟ پھر وہ کہتی ہیں ہائے او میرے شیرا! تو فرشتے پھر اُسے جوتیاں مارتے ہیں اور کہتے ہیں کیا تو شیر تھا؟ تیرے جیسا تو بُزدل دنیا میں اور کوئی نہ تھا۔ تو تمہاری دی ہوئی لیڈری اور اعزاز کیا کام دے سکتی ہے۔ رُتبہ وہ ہے جو خدا اور اُس کے رسول کی طرف سے ملے اور وہ رُتبہ مسجد میں نماز باجماعت ادا نہ کرنے والے کا یہ ہے کہ وہ منافق ہے۔ پس اگر تم سارے مل کر اُسے اپنا بادشاہ بنالو یا اُسے اپنا لیڈر تسلیم کرلو تو تمہارے رُتبے دینے سے اس کی قیمت

میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا کیونکہ رُتبہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے اور عزت وہی ہے جو اُس کی طرف سے عطا ہو۔

غرض ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو مساجد میں نہیں آتے لیکن انجمنیں تو بن گئی ہیں مگر ایسے لوگوں کی کوئی نگرانی نہیں ہوتی اور نہ اُن کی رپورٹیں میرے پاس آتی ہیں۔ سال بھر سے زیادہ ہونے لگا ہے جب یہ کمیٹیاں قائم کی گئی تھیں مگر ابھی تک ایک کام میں بھی اصلاح نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے اصلاح کیا کرنی تھی۔ ان میں تو اتنی ہمت بھی پیدا نہیں ہوئی کہ وہ میرے پاس رپورٹ کرتے حالانکہ انہیں چاہئے تھا کہ وہ لوگ جو مسجدوں میں نماز کیلئے نہیں آتے اُن کا پتہ لگاتے اور پھر پانچ سات آدمیوں پر مشتمل وفد بناتے اور جس کے متعلق یہ ثابت ہوتا کہ وہ اکثر ناغہ کرتا ہے اور مسجد میں نماز کیلئے نہیں آتا اس کے پاس وہ پانچ سات آدمی مل کر جاتے اور اس سے دریافت کرتے کہ وہ کیوں مسجد میں نہیں آتا۔ اگر سستی کی وجہ سے وہ مسجد میں نہیں آتا تو اسے آئندہ باقاعدہ مسجد میں نماز پڑھنے کی تاکید کی جاتی۔ اس پر بھی اگر اس کی اصلاح نہ ہوتی تو اس کی رپورٹ میرے پاس کرتے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ پریذیڈنٹ اور سیکرٹری اس پہلو سے بالکل غافل رہے ہیں۔ اصل مضمون میرا اور ہے مگر میں ضمنی طور پر مساجد کے مخلص مقتدیوں سے کہتا ہوں جن کے دل میں اسلام اور احمدیت کا درد ہے اور جو چاہتے ہیں کہ اسلام اور احمدیت ترقی کرے کہ اگر ایک مہینہ کے اندر اندر ایسے پریذیڈنٹ اور سیکرٹری اپنی اصلاح نہ کریں تو وہ ایک مہینہ کے اندر ان پریذیڈنٹوں اور سیکرٹریوں کو برخواست کر دیں اور کسی اور کو پریذیڈنٹ اور سیکرٹری بنالیں۔

میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ پریذیڈنٹ یا سیکرٹری کیلئے بڑے پایہ کا ہونا شرط نہیں۔ معزز وہ ہے جو قربانی کرے اور اللہ تعالیٰ کے دین کا درد اپنے دل میں رکھے۔ اگر رسول کریم ﷺ اَن پڑھ ہوتے ہوئے دنیا کے معلّم اور استاد بن سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ کے اتباع میں اَن پڑھ ہوتے ہوئے دنیا میں عظیم الشان کام کر کے نہ دکھاسکیں۔ پس یہ ضروری نہیں کہ پریذیڈنٹ یا سیکرٹری اُسے بنایا جائے جو پڑھ سکتا ہو بلکہ اگر ایک متقی اَن پڑھ ہے تو اس کو ہی اپنا پریذیڈنٹ بنالیں اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ سَو دوسَو یا چارسَو ماہوار آمد رکھنے والا ہو۔ بیشک وہ پانچ روپیہ ماہوار کمانے والا ہو، بے شک وہ کنگال ہو مگر کام کرنے والا ہو اس کو تم پریذیڈنٹ بنالو۔

اور یاد رکھو کہ عزت وہ نہیں جو دنیا کے مال و دولت سے ملتی ہے اگر مال و دولت کی وجہ سے ہی عزت ملتی تو بجائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ظلّی نبوت ملنے کے جو ایک معمولی گاؤں کے رہنے والے تھے چاہئے تھا کہ راتھ شیلڈ یا راک فیلر یا انگلستان اور امریکہ کے دوسرے کروڑ پتیوں کو یہ منصب ملتا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو نہیں چُنا بلکہ تمام ممالک میں سے ہندوستان کو چُنا جو ہر ملک سے ترقی کی دوڑ میں پیچھے تھا۔ اور ہندوستان میں سے بھی صوبہ پنجاب کو چُنا جو تمام صوبوں کے مقابلہ میں ادنیٰ تھا۔ اور صوبہ پنجاب میں سے بھی ضلع گورداسپور کو چنا جو تمام ضلعوں میں سے خراب سمجھا جاتا تھا اور ضلع گورداسپور میں سے بھی قادیان کو چُنا جو تمام دیہات میں سے ایک معمولی دیہہ تھا اور قادیان میں سے بھی ایسے فرد کو چُنا جو اپنے خاندان میں بھی غیر معروف تھا۔ تم بھی خدا تعالیٰ کے انتخاب کو سامنے رکھا کرو اور دیکھا کرو کہ اللہ تعالیٰ کس بناء پر انتخاب کیا کرتا ہے۔ تم بھی کسی کو اس لئے پریذیڈنٹ یا سیکرٹری مت بناؤ کہ وہ بڑی توند والا ہے یا بڑی دولت والا ہے یا بڑھ بڑھ کر باتیں کرتا ہے بلکہ تم اُس کو پریذیڈنٹ اور سیکرٹری بناؤ جو واقعہ میں سلسلہ کا درد رکھنے والا ہو اور اسلام کی تڑپ اپنے سینہ میں رکھتا ہو ایسا شخص کام بھی کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی خوشنودی کا بھی وارث ہوگا۔

غرض عملی زندگی میں ہمیں بہت سی کمزوریاں نظر آتی ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم سوچیں ان کی اصلاح کی کیا تدابیر ہیں اور کیا مشکلات ہمارے راستہ میں حائل ہیں مگر میں آج ان تدابیر کو بیان نہیں کرسکتا کیونکہ وقت زیادہ ہو گیا ہے اور میری طبیعت بھی کمزور ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو اگلے جمعہ میں مَیں اس مضمون کا بقیہ حصہ بیان کرنے کی کوشش کروں گا مگر اُس وقت تک جماعت کے مخلصوں کو چاہئے کہ وہ اس مسئلہ پر غور کریں۔ جو تغیر عقائد کے متعلق میں نے بتایا ہے وہ کتنا عظیم الشان ہے۔ آج سے چالیس سال پہلے جن باتوں کو لوگ کفر قرار دیتے تھے آج حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کے ماتحت خود وہی لوگ ان باتوں کو مان رہے ہیں۔ اِس سے قیاس کرلو کہ کیا وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو عمل کے متعلق تعلیم ہے وہ ویسی زبردست ثابت نہ ہو۔ اس پر اتنے دن غور کرو اور سوچو کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ آیا یہ ہمارے کسی نقص کی وجہ سے ہے یا یہ تعلیم کا نقص ہے یا ذرائع کا نقص ہے کہ عقائد کی تعلیم کی تو یہ حالت ہے کہ کافر کہنے والے بھی اسے تسلیم کر رہے ہیں اور عملی تعلیم اتنی کمزور ہے کہ اپنوں پر بھی ابھی اس کا

پورا اثر نہیں ہوا۔ یہ فرق کیوں ہے؟ جس دماغ پر ایک بات نازل ہوئی ہے اُسی دماغ پر دوسری بات بھی نازل ہوئی پھر کیا وجہ ہے کہ عملی حصہ کمزور ہے۔ اس پر اگر غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ضرور نقص ہمارے اندر ہی ہے مگر وہ کیا نقص ہے اور اس کے ازالہ کی کیا تدابیر ہیں؟ اس پر غور کرو اور اپنے ذہن میں وہ تدبیریں سوچو جن سے اس نقص کا ازالہ ہو سکے تا تمہارے نفس میں عملی حصہ کی اہمیت کا احساس ہو اور تم میں اس صورتِ حالات کو بدل دینے کی خواہش پیدا ہو۔ پھر میں بھی اِنْشَاءَ اللّٰہُ اپنے خیالات ظاہر کروں گا اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ لوگ جو مخلص ہیں وہ میرے ساتھ تعاون کریں اور ان باتوں کے پورا کرنے میں میری مدد کریں گے تا ہماری جماعت پر جو اعتراض آتا ہے اسے ہم دور کر سکیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ کوئی بعید بات نہیں۔ اگر ہم سچے طور پر بعض تدابیر اختیار کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں اس حصہ میں بھی ویسی ہی کامیابی حاصل نہ ہو جیسے عقائد کے بارہ میں ہمیں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ درحقیقت ہمارے لئے وہی خوشی کا دن ہوگا جب ہمارا عقیدہ اور عمل دونوں اسلام اور احمدیت کی تعلیم کے مطابق ہوں گے کیونکہ عقیدہ بغیر عمل کے کچھ نہیں جیسے عمل بغیر عقیدہ کے کچھ نہیں۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے بھی اور آپ لوگوں کو بھی توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان نقائص کو سمجھ سکیں جن کی وجہ سے اب تک ہمیں پوری کامیابی حاصل نہیں ہوئی، اور وہ تدابیر اپنے فضل سے سمجھائے جن پر عمل کرنے سے کامیابی عطا ہو اور ہمیں ایسے مخلص بندے دے جن کے دل ہر قسم کے بُغض، کینہ اور کپٹ سے پاک ہوں اور وہ ان تدابیر کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اپنی زندگیاں وقت کر دیں اور وہ دن لانے کی کوشش کریں جس میں مؤمن کی جنت اس کے قریب آجاتی ہے۔ یعنی عقیدہ اور عمل دونوں خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہو جاتے ہیں۔

(الفضل ۲۹ رمئی ۱۹۳۶ء)

---

۱ آل عمران: ۵۶

۲ بخاری کتاب الاذان باب فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ